اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۹، شمارہ۱، مسلسل شمارہ:۱۷۳، سال ۲۰۲۴ء

گمشدہ گلاب از ڈاکٹر درمش بلگر
تحقیقی وتنقیدی جائزہ

عمران علی
پی ایچ۔ڈی (اُردو)
لاہور گریژن یونیورسٹی، لاہور

محمد انس رضا، پی ایچ ڈی
اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات
نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس، سب کیمپس، ملتان

GUMSHUDA GHULAB BY DR. DURMUSH BULGAR
RESEARCH AND CRITICAL REVIEW

Imran Ali
Ph.D (Urdu), Lahore Garrison University, Lahore

Muhammad Anas Raza, PhD
Assistant Professor of Islamic Studies
NCBA&E, Sub Campus, Multan

Abstract

Turkish scholar Dr. Durmush Bulgar has obtained a doctorate degree in Urdu language and literature. So far nine books have been published regarding his Urdu language and literature. He wrote a Turkish novel *Kayip Gul* written by famous Turkish writer Sardar Özkan; Translated into Urdu as *Gumshuda Ghulab*. This famous Turkish novel has been translated into 44 languages of 67 countries of the world so far. This novel has been translated into English as *The Missing Rose*. This novel is one of the most translated novels in world literature.

Keywords:

Dr. Durmush Bulgar, Sardar Ozkan, Urdu, English, Turkish, Kayip Gul, Gumshuda Ghulab.

دنیا میں بہت سے علما، فضلا، شعرا، محققین، نقاد، دانش وروں، مترجمین، سائنس دانوں، ماہرِ لسانیات، ادبانے بیش بہاکارنامے انجام دیے ہیں۔ انھی اصناف سے تعلق رکھنے والے ماہرین دنیا کے ہر خطے اور علاقے میں موجود ہیں۔ ان میں ایک نام ڈاکٹر درمش بلگر کا ہے، جو پیدا تو ترکی میں ہوئے مگر ان کا دل پاکستان کی محبت میں گرفتار ہے اور انھیں اردو زبان سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ وہ ۱۶ جولائی ۱۹۶۸ء کو ترکی کے جنوب مشرقی شہر غازی عین تاب میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اردو زبان و ادب میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری انقرہ یونیورسٹی، ترکی سے حاصل کی اور اُن کی اردو زبان و ادب کے حوالے سے نو کتب منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ جن کے نام درج ذیل ہیں: مولانا رومی اور دیارِ رومی، شروح و شارحین مثنوی رومی، مولانا روم۔۔۔ اردو کتابیات، اردو۔ترکی لغت، ترکی زبان، گلشنِ ترکی، ترکی۔اردو لغت، مشاہیر ترک، گم شدہ گلاب۔

ترجمہ ایک مشکل امر ہے۔ مترجم، مصنف کی شخصیت، فکر و اسلوب کے ساتھ بندھا ہوتا ہے۔ ترجمہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا مادہ ر۔ج۔م ہے۔ انگریزی زبان میں Translation لفظ مغرب کی جدید زبانوں میں لاطینی زبان سے آیا ہے۔ ترجمہ ایک زبان سے دوسری زبان میں تحریر و تقریر کو منتقل کرنے کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ اسی حوالے سے پروفیسر مسکین علی حجازی (۱۹۳۷ـ۲۰۰۹ء) لکھتے ہیں:

> ”علمی، ادبی اور فنی مواد کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا خاصا دشوار کام ہے، یہ کام وہی شخص صحیح طور پر کر سکتا ہے جو متعلقہ علم، صنفِ ادب یا فن کا ماہر ہونے کے علاوہ دونوں زبانوں پر مکمل طور پر قادر ہو۔“ (۱)

گم شدہ گلاب ترکی زبان و ادب کا ایک شہرۂ آفاق ناول ہے جس کا ترجمہ دنیا کی بہت سی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر درمش بلگر نے اس ناول کا ترجمہ ترکی زبان سے اردو زبان میں کیا ہے۔ اس ناول کو رومی چیئر برائے ترکی زبان و ثقافت، کلیۂ علوم شرقیہ، جامعہ پنجاب، لاہور کے تعاون سے 2015ء میں شائع کیا گیا۔ صفحات کی تعداد ۱۸۳ ہے۔

Kayip Gul ناول کے مصنف سردار اوزکان ایک مشہور ترک ادیب ہے۔ جو دنیا بھر میں اپنے اس ناول کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ ناول انگریزی زبان میں *The Missing Rose* اور اردو زبان میں **گم شدہ گلاب** کے نام سے مشہور ہے اور اب تک دنیا کے ۶۷ ممالک میں ۴۴ زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ اس مختصر ناول کا شمار عالمی ادب میں سب سے زیادہ ترجمہ کیے جانے والے ناولوں میں ہوتا ہے اور

دنیا میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والا ناول ہے۔ڈاکٹر درمش بلگر، سردار اوزکان کا تعارف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "سردار اوزکان ۱۹۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے مڈل اور ہائی سکول کی تعلیم رابرٹ کالج، استنبول سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم امریکہ کی یونیورسٹی Lehigh میں مکمل کی جہاں آپ نے بزنس ایڈمنسٹریشن اور نفسیات میں بی اے کی سند حاصل کی۔ آپ ۲۰۰۲ء سے لے کر تاحال کل وقتی ناول نگار کے طور پر نا صرف اندرون بل کہ بیرون ترکی کے ادبی حلقوں میں پہچانے جاتے ہیں۔ آپ نے ناولوں میں زندگی کے سفر کے گہرے معنی پر جو گرہ ہے، اسے کھولنے کی کوشش کی ہے۔"(۲)

اس ناول میں ایک نوجوان لڑکی (ڈیانا) کی آپ بیتی بیان کی گئی ہے، جو دوسروں سے داد حاصل کرنے کی خاطر اپنے خوابوں اور ذات تک کو ہمہ وقت قربان کرنے پر تیار رہتی ہے۔ناول کی کہانی انسان کے اندر چھپے ہوئے احساس، ہم دردی، محبت، اخلاقیات جیسے جذبات کی تلاش ہے۔ اس کی اہمیت کے بارے ڈاکٹر درمش لکھتے ہیں:

> "ترکی میں یہ نام ور ناول نگار 'شہزادہ صغیر' کے عرف سے بھی مشہور ہیں۔ 'گم شدہ گلاب' ایک امریکی لڑکی ڈیانا کی سرگزشت ہے جو اپنی جڑواں بہن کی تلاش میں استنبول آتی ہے۔ سردار کا یہ ناول عالمی سطح پر سب سے زیادہ پڑھی جانے والی Antoine de Saint Exupery کی کتاب 'چھوٹا شہزادہ'، Richard Bach کی کتاب 'بطخ'، Hermen Hesse کی کتاب 'سدھارتھا' اور Paulo Coelho کی 'کیمیاگر' کے ہم پلہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا نرالا اور خوب صورت ناول ہے جو انسان کو اپنی ذات کی دریافت کی ترغیب دیتا ہے۔"(۳)

ناول مشرقی اور مغربی دونوں ثقافتوں کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے جب کہ اس میں فلسفیانہ انداز کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ سردار اوزکان کے خیالات کے حوالے سے اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> "ایک ملاقات کے دوران میں لوگوں کے ایک سوال "آیا آپ کا شمار مشرقی ناول نگاروں میں ہوتا ہے جو مغرب کے بارے میں لکھتے ہیں یا ان مغربی ناول نگاروں میں ہوتا جو جو مشرق کے بارے میں لکھتے ہیں؟" کا جواب انھوں نے "آخر، میں ایک انسان ہوں" کہہ کر

دیا اور لطیف انداز میں بنی نوع انسان کی آفاقیت و ہمہ گیریت کو اجاگر کیا کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں، ان میں بہت سے اشتراکات پائے جاتے ہیں۔"(۴)

مصنف نے اس ناول میں موضوع کے انتخاب میں نہایت بصیرت اور مشاہدے سے کام لیا ہے۔ کسی بھی فن پارے میں موضوع بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے موضوع جتنا روزمرہ زندگی کے قریب ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ پسندیدہ سمجھا جائے گا۔ سردار اوزکان نے موضوع منتخب کرتے ہوئے جن امور کو مدِ نظر رکھا۔ اس میں ایک اہم نکتہ وہ ہستی ہے جسے کائنات میں ہم "ماں" کے نام سے جانتے ہیں۔ دنیا کی کسی بھی قوم، مذہب میں ماں جیسی ہستی کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ "ماں" اس فانی دنیا کا لافانی کردار ہے۔ ماں کی گود انسان کی پہلی درس گاہ ہے۔ ماں کا جذبۂ ایمان جتنا زیادہ ہوگا یہ درس گاہ اتنی ہی بلند معیار کی حامل ہوگی اور اس میں پلنے والے بچوں کی تربیت اتنی ہی عمدہ ہوگی۔ عربی میں ماں کو" ام" کہا جاتا ہے اور ترکی زبان میں Anne کہا جاتا ہے۔ ناول کے آغاز سے ہی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ڈیانا (ناول کا مرکزی کردار) کی ماں کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس کی ماں نے مرنے سے پہلے ڈیانا کی لاپرواہی کو دیکھتے ہوئے خطوط کے ذریعے اس کی تربیت و اصلاح کا پلان تیار کیا تھا۔ وہ اپنی ماں کے مرنے کے بعد پہلا خط کھولتی ہے۔ خط کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"مجھے اپنے روزانہ کے کاموں کی خبر دیتی رہنا، ٹھیک ہے ناں! بھلا کیسے؟ میری خاطر اپنی ڈائری میں کچھ نہ کچھ لکھو، میری تصویر سے باتیں کرو، میرے لیے کہانیاں لکھو۔۔۔۔"(۵)

ناول تین حصوں پر مشتمل ہے۔ اگر ہم ناول کا مطالعہ کریں تو ہمیں اس کے موضوع کے بارے میں مغالطہ سا ہونے لگتا ہے کہ ناول کس موضوع پر مشتمل ہے۔ ناول کے اہم ترین موضوعات میں ڈیانا، اس کی ماں، ماتھیاس، زینب خانم کا کردار شامل ہیں۔ ناول میں زندگی کے بہت سے موضوعات کو ایک ہی لڑی میں پرونے کی سعی کی گئی ہے۔ ناول کے آغاز میں جس اقتباس کا ذکر کیا گیا ہے کہ ڈیانا کی ماں چاہتی ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ لکھے اپنی زندگی کو مصروف رکھے، فضول کاموں میں اپنی زندگی برباد نہ کر بیٹھے۔ ڈیانا اپنی ماں کے انھی مقاصد کی تکمیل کے لیے بعد ایک ناول تحریر کرتی ہے جسے وہ آپ بیتی کی صورت میں **گم شدہ گلاب** کے نام سے لکھتی ہے۔ اسی موضوع کے حوالے سے ڈیانا اپنی ماں کو خط لکھتی ہے۔ خط کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"دراصل یہ کہانی ایک پھول کے متعلق نہیں ہے، ماں۔ اس کہانی کا تعلق ایک ماں سے ہے، ایک ایسی ماں کے متعلق ہے جو ثابت کرتی ہے کہ حقیقی پھول کبھی نہیں مرتے اور مرجھا جانے کے بعد بھی اپنے اَطراف میں خوشبو پھیلاتے رہتے ہیں۔"(۶)

پلاٹ

پلاٹ انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی وہ خاکہ یا ذہنی تصور ہے جس میں ناول نگار آغاز سے انجام تک کے مراحل پر غور کرتا ہے۔ کسی فن پارے (داستان، ناول، افسانہ، ڈراما) کی کام یابی کا دارومدار اس کے مضبوط پلاٹ پر منحصر ہے۔ فن پارے کا پلاٹ جس قدر مربوط ہو گا، اتنا ہی فن پارہ اپنے قارئین پر مثبت تاثر پیدا کرے گا۔ اگر ناول کا پلاٹ کمزور ہو گا تو قاری کے لیے اس میں ربط پیدا کرنا اور اسے سمجھنا مشکل ہو گا۔ پلاٹ نقشے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں ناول نگار کہانی، کرداروں اور مکالموں وغیرہ کے ذریعے رنگ بھرتا ہے اور پھر اس نقشے کے مطابق عمارت استوار کی جاتی ہے۔ پلاٹ اگر جسم ہے تو قصہ یا کہانی اس میں روح کی مانند ہے۔ بغیر پلاٹ کے کوئی قصہ ربط و تسلسل اور فنی تنظیم و ترتیب کے ساتھ اختتام تک نہیں پہنچ سکتا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری (۱۹۱۴۔۱۹۹۰ء) پلاٹ کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

> ”انتخابِ واقعات کے لیے ناول نگار کا دوسرا معیار یہ ہے کہ پلاٹ کی تنظیم میں کس حد تک اہم ہے۔ یعنی وہ یہ دیکھتا ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے وہ پلاٹ کو آگے بڑھانے میں مدد دے اور یہ بات اسی صورت ممکن ہے جب کہ مختلف واقعات میں ایسا منطقی ربط قائم کیا جائے کہ ہر آنے والا واقعہ گزرے ہوئے واقعات کا لابدی نتیجہ ہو۔“ (۷)

ناول کا پلاٹ مصنف نے نہایت سوچ سمجھ کر بُنا ہے۔ اس کا موضوع اور تمام کردار پلاٹ کے مطابق آگے بڑھتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اس کے مربوط پلاٹ کی عکاسی ناول کے خطوط سے ہوتی ہے۔ مَیری (فرضی کردار) کے لکھے گئے اپنی ماں کو خطوط اور ان خطوط کے جوابات اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ مصنف نے اس ناول میں موضوع اور پلاٹ کو انھیں خطوط کی مدد سے آگے بڑھایا ہے۔ ایک خط کا موضوع اور تعلق دوسرے خط سے اور اسی طرح تیسرے اور چوتھے کا تعلق آپس میں اس طرح مربوط ہے کہ انھیں ہمیں ایک تسبیح کے مختلف دانے کہہ سکتے ہیں۔ مصنف کو اپنے فن پر دسترسِ کمال ہے کہ اس نے ایک ایسے مربوط پلاٹ کو تشکیل دیا ہے جو اس ناول کے لیے بہت موثر ثابت ہوا ہے۔ اگر ہم اس پلاٹ کو فطری پلاٹ کہیں تو غلط نہ ہو گا۔

کردار نگاری

جہاں تک اس ناول کی کردار نگاری کی تعلق ہے تو مصنف نے اتنے ہی کردار تخلیق کیے ہیں جتنے اس کہانی کے لیے ضروری تھے۔ اس ناول میں تقریباً ایک درجن سے زائد کردار ہیں۔ ڈیانا (مرکزی

کردار)، لیتو (ماں)، ازابیل، اینڈریا (ڈیانا کی سہیلی)، مَیری (ڈیانا کی جڑواں بہن)، گابریبل (ڈاکیا)، مسز جونسن (ماں کی سہیلی)، ماتھیاس (مصور، ناول کا ہیرو)، کرسٹین (ٹیلی فون آپریٹر)، مسز لوپز (نوکرانی) اور ایک کردار باپ کا بھی ہے۔ لیکن ناول میں باپ کا نام مصنف نے درج نہیں کیا۔

خطوط

ماں کے ڈیانا کو لکھے گئے خطوط:	۲	مَیری کا والد کو لکھا خط:	۱
مَیری کے ماں کو لکھے خطوط:	۴	ڈیانا کے ماں کو لکھے خطوط:	۲
ڈیانا کا مَیری کا لکھا خط:	۱	زینب خانم کا ڈیانا کو لکھا خط:	۱

ڈیانا کا کردار

یہ ناول کا مرکزی کردار ہے۔ مصنف نے اس کردار کی تشکیل کے لیے باقی تمام کردار تشکیل دیے ہیں۔ یہ ایسا کردار ہے جسے باپ کی محبت کبھی میسر نہیں آئی۔ اس کے باوجود وہ اپنی ماں کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو صحیح معنوں میں بسر کرنے کا ارادہ کرتی ہے۔ یہ ایک آپ بیتی ہے، جو ڈیانا اپنی زبانی سناتی ہے۔ ڈیانا ایک نخریلی، لاپروا، مغرور اور خوب صورت لڑکی ہے۔ ماں (لیتو) اس کی ان عادات سے بہ خوبی واقف تھی۔ ماں کی وفات کے بعد ڈیانا کا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ ماں جانتی تھی کہ اس کے چلے جانے کے بعد اس کی بیٹی حالات کا مقابلہ نہیں کر پائے گی۔ اس لیے وہ ایک پلان تیار کرتی ہے، جس میں تصوراتی زندگی سے حقیقی زندگی کی عکاسی کی گئی ہے۔ ڈیانا کے کردار میں مشرقی و مغربی ثقافت کو ناول نگار نے بڑی خوب صورتی سے نمایاں کیا ہے۔

ناول کے آغاز میں ڈیانا کا کردار ایک شراب نوش خاتون کی طرح ہے جو اپنی ماں کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اپنا غم بھلانے کے لیے کثرت سے شراب نوشی کرتی ہے۔ اسی حوالے سے اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ”آخری گھونٹ لینے کے بعد اس نے جام زمین پر پٹخ دیا۔ دوسری بوتل کی طرف ہاتھ بڑھانے کے لیے قوت جمع کرنے سے پہلے اس نے پہلی خالی بوتل کی جانب دیکھا۔“(۸)

ناول کے آخر میں ڈیانا ایک منفرد کردار میں سامنے آتی ہے اور اپنی ماں کے لکھے خطوط میں نصیحتوں پر عمل پیرا ہو کر حقیقی زندگی کی طرف لوٹ آتی ہے اور ایک ناول تخلیق کرنے کے بعد اپنی ماں کو ایک خط لکھتی ہے، اس خط کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ”تمھارا بہت بہت شکریہ ماں۔ میں ہوا میں تمھاری خوش بو محسوس کر رہی ہوں۔ ہر بار سونگھنے پر مختلف خوش بو کے ساتھ۔ ہر جا، بوئے گل۔“ (۹)

ماں کا کردار

یہ کردار سارے ناول میں مثبت طور پر ابھر کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ مصنف نے اس کردار میں وہ تمام خوبیاں یکجا کر دی ہیں جو ایک ماں میں موجود ہوتی ہیں۔ ماں کس طرح اپنے بچوں کی بغیر باپ کے پرورش کرتی ہے۔ اپنے بچوں میں احساسِ کم تری پیدا نہیں ہونے دیتی۔ ہمت اور حوصلہ دیتی ہے اور کبھی نہ ہارنے کی تلقین کرتی ہے۔ اپنے بچوں میں مثبت سوچ پیدا کرتی ہے۔ دنیا کے اسرار و رموز سے آگاہی فراہم کرتی ہے۔ معاشرے کے ایک اچھے کردار کے حامل شخص کی تمام خوبیاں اپنی اولاد میں دیکھنے کی خواہاں رہتی ہے۔ آج کے شورش زدہ دور میں معاشرتی رویوں میں بگاڑ کا جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بچوں کی مناسب دیکھ بھال اور پرورش نہیں ہو پا رہی۔ رشتوں کے تقدس کی پامالی ہو رہی ہے۔ خود غرضی، نفسا نفسی نے رشتوں میں بگاڑ پیدا کر دیا ہے۔ ناول نگار نے اس دور میں ماں کی عظمت اور اس کے فرائض کی طرف نشان دہی کی ہے۔ ماں زندہ ہو یا دنیاے فانی سے کوچ کر چکی ہو تب بھی اپنی اولاد کی تربیت کا کوئی نہ کوئی بندوبست ضرور کرتی ہے۔ ذہنی و جسمانی تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ دونوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی نصیحتیں ماں کی طرف سے ہمیں اس ناول میں جابجا ملتی ہیں۔ ناول میں ماں نے ہی ڈیانا کی اصلاح کے لیے سارا پلان تیار کیا ہوتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> "ایک پہاڑ کا خیال کرو۔۔۔ چوٹی پر منظر بہت خوب صورت ہے۔ تم وہاں پر رہنا چاہتی ہو لیکن چوٹی کو خود سے بہت دور دیکھ کر ناامیدی کا شکار ہو جاتی ہو۔ وہاں پر جیسے بھی ہو پہنچ نہیں پاؤں گی کہہ کر اسے چھوڑ دیتی ہو۔ حالاں کہ چوٹی پر پہنچنے والوں کے قدم تمھارے قدموں سے زیادہ بڑے نہ تھے۔ مگر یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے قدم بڑھانا جاری رکھے۔ ناممکنات کو حقیقت کا روپ دینے والے معجزے نہیں، تسلسل ہے۔ پانی سے سخت چٹانوں میں سوراخ کر دینے والی چیز بھی یہی ہے اور اکیسویں صدی کے انسان کو پھولوں کی آواز سنوانے والی بھی۔" (۱۰)

ڈیانا کی ماں ایک درد دل رکھنے والی اور فلاحی کام کرنے والی خاتون تھی۔ وہ ہمیشہ ضرورت مندوں، غریبوں اور بے کسوں کی مدد کرنے والی تھی اور اس بات سے ڈیانا ہمیشہ ہی بے خبر رہی۔ اسی حوالے سے اقتباس دیکھیے:

> "وہ ایک پل کے لیے رک کر دیگر فقیروں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ان کو دیکھ رہی ہو؟ صبح و شام ان سب کے پیٹ بھرے رہتے تھے۔ وہ اس علاقے کے سب سے خوش قسمت فقیر تھے۔ شام کی چہل قدمی کے دوران میں کبھی غور کیا تھا تم نے کہ وہ کیا کھا رہے ہیں؟ ہم سب المونیم کے پیکٹوں میں نہایت نفیس کھانے کھاتے تھے۔ ہر صبح ایک نوجوان ہمارے لیے کھانا چھوڑ کر چلا جاتا تھا۔ یہ ضیافت سالہا سال جاری رہی۔ ہم سب کو یہ جستجو تھی کہ یہ کھانا کون بھیجتا ہے۔ یہ جاننے کے لیے اس نوجوان کو کریدتے مگر اس کے منہ سے ایک لفظ نہ سن سکے۔ وہ خیرات کرنے والا کون تھا؟ دیگر فقیر اب تک نہیں جان سکے لیکن میں اب جان چکا ہوں کہ وہ کون تھا۔ جانتا ہوں کیوں کہ اب ہمیں کھانا نہ آئے پورے چھ ماہ گزر گئے ہیں۔ اب تم بولو نوجوان لڑکی، تمھارے خیال میں وہ کھانا کون بھیجتا تھا؟

میں اپنے دونوں ہاتھوں کو دو طرفہ کھول رہی ہوں گویا مجھے کچھ پتا نہیں۔ دراصل المونیم کے پیکٹوں پر میں نے بھی غور کیا تھا۔ مجھے یہ کسی رفاعی ادارے کا کام لگتا تھا۔

وہ مسکرا کر یہ کہہ رہا ہے: "یہ ہے بھلائی کہلائی جانے والی چیز۔ اس کی جانب سے کی جانے والی مدد سے اس کی بیٹی کا بھی بے خبر ہونا۔"(۱۲)

مَیری کا کردار

ناول کا دوسرا بنیادی کردار ہے۔ مصنف نے اس خیالی کردار کی مدد سے ڈیانا میں ایک احساسِ شعور اور کچھ پانے کی جستجو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کردار اس ناول میں اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ڈیانا کا کردار۔ یہ خیالی کردار آغاز سے اختتام تک مرکزی کردار (ڈیانا) کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا ہے۔

ازابیل، اینڈریا کا کردار

ازابیل اور اینڈریا ڈیانا کی کلاس فیلوز ہیں۔ ان دونوں کا ناول میں مختصر کردار ہے۔ جو ڈیانا کو سال گرہ کی مبارک باد دینے آتی ہیں اور اس کے غم کو غلط کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

زینب خانم کا کردار

ماں کے کردار کے بعد زینب خانم کا کردار ناول میں بڑا جان دار ہے، جو کہانی کا رخ ہی بدل دیتا ہے۔ ڈیانا کی ماں کی دوست زینب خانم ترکیہ میں ایک ہوٹل کی مالکہ ہے۔ جسے پھولوں سے گفت گو کرنے کا فن آتا ہے۔ ڈیانا کی ماں بہ خوبی جانتی تھی کہ وہ اپنی بیٹی کی بہتر اصلاح کس طرح کر سکتی ہے۔ ماں کے پلان کا

اصل مرکزی کردار زینب خانم ہی ہے۔ زینب خانم، ڈیانا کی تربیت اور اسے اپنی ماں کو سمجھنے میں مدد کرتی ہے۔ زینب خانم اسے پھولوں سے گفت گو کرنے کا فن سکھاتی ہے۔ اس حوالے سے اقتباس دیکھیے:

> ”ہر انسان کا دل دراصل پیدائشی طور پر اس قابل ہوتا ہے۔ مگر دل وقت کے ساتھ بہرے ہو جاتے ہیں اور پھولوں کو سن نہیں پاتے۔۔۔“ (۱۲)

مسز جونسن کا کردار

مسز جونسن کا کردار ناول میں مختصر ہے۔ یہ ڈیانا کی ماں کی قریبی دوست ہے جو نیویارک میں مقیم ہے۔ ہر سال دورانِ سیاحت مسز جونسن اور ڈیانا کی ماں ساتھ ہوتی تھیں۔ ناول میں دو مرتبہ مسز جونسن کی ملاقات ڈیانا سے ہوتی ہے۔

ماتھیاس کا کردار

ماتھیاس ناول کا ہیرو ہے۔ یہ وہ کردار ہے جس کی مدد سے مصنف نے ناول میں رومانوی رنگ کی آمیزش کی ہے۔ ڈیانا اور ماتھیاس ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ یہ بھی ڈیانا کی طرح اپنی زندگی سے فرار حاصل کرنا چاہتا تھا مگر ڈیانا نے اپنی ذات کی جستجو کے بعد اس کی ادھوری ذات کی بھی تکمیل کر دی۔

ناول کے دیگر مختصر ترین کردار

☆ مس سٹیورٹ ڈیانا کی ہمسائی ہے۔

☆ مسز لوپز کا کردار ناول میں زیادہ واضح نہیں ہے، شاید یہ ڈیانا کی گھریلو ملازمہ ہے۔

☆ گابریل کا کردار ڈاکیے کا ہے، جو ناول میں ڈیانا کے لیے خطوط اور گفٹ کے پیکٹ لے کر آتا ہے۔

☆ کرسٹین ایک سیاحتی کمپنی کی ٹیلی فون آپریٹر ہے۔

☆ سیاہ فام بوڑھا (نجومی) جو کہ ڈیانا کی ماں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ مسز جونسن اور اس کی ماں کے پلان میں شامل ہوتا ہے اور ڈیانا کے متعلق سب کچھ جانتا ہے۔ حقیقت میں سیاہ فام بوڑھا نجومی نہیں ہے۔ ڈیانا کی ماں ساحل سمندر پر بیٹھے فقیروں کے لیے اعلیٰ قسم کا کھانا روزانہ بھیجتی ہے۔ سیاہ فارم بوڑھے کی زبانی ڈیانا کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدمتِ خلق کا کام اس کی ماں کر رہی تھی۔ اس کی وفات کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا ہے۔

اس ناول میں ڈیانا، لیتو (ماں)، زینب خانم (ماں کی دوست)، سیاہ فارم بوڑھا (نجومی) اور ماتھیاس (مصور) بنیادی کردار ہیں اور باقی تمام کردار ضمنی یا ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ صرف

اور صرف کہانی کو آگے بڑھانے کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں۔ اس ناول میں ڈیانا اور لیتو (ماں) دونوں کردار اتنے جان دار ہیں کہ ہم کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ مرکزی کردار کون سا ہے۔ لیکن مصنف کے رجحان اور تشکیلی عناصر کو دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ڈیانا ہی اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔

زبان و بیان

یہ ناول خطوط کی مدد سے آگے بڑھتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو مصنف نے خطوط کے لیے ایسی ہی زبان استعمال کی ہے جو فطری طور پر صرف اور صرف خطوط کے لیے موزوں ہو سکتی ہے۔ خط چوں کہ جذبات کے اظہار کا واحد ذریعہ ہے جس میں خط لکھنے والا اپنے چاہنے والے تک اپنی کیفیت کو ہو بہو منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کوشش کے لیے اسے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ ایک ایسی زبان جو روزمرہ کے لیے بہترین ہو۔

خود کلامی

خود کلامی کو انگریزی میں Mologue کہتے ہیں۔ خود کلامی اکثر و بیشتر ہمارے افسانوی ادب میں نہایت موثر ثابت ہوتی ہے۔ مصنف کسی بھی فن پارے میں خود کلامی کو دو نمایاں طریقوں سے بروئے کار لا سکتا ہے۔ ایک خوشی کی حالت میں اور دوسرا غمی کی حالت میں۔ اس ناول میں مصنف نے دوسرے طریقے پر اکتفا کیا ہے۔ جب ڈیانا کی ماں اس دنیائے فانی سے کوچ کر جاتی ہے تو ڈیانا کی حالت کا مصنف نے کچھ اس طرح نقشہ کھینچا ہے:

> ”ڈیانا دوبارہ بوتلوں کی جانب مڑی۔ "بتاؤ مجھے، اے بوتلو!" ان سے مخاطب ہوئی۔ "اگر تم جانتی ہو تو تم بولو، ان سب کا کیا مطلب ہے۔ کیا تمھارے مطابق یہ سب پاگل پن نہیں ہے؟ ایک کتاب پڑھ کر گھر ترک کر دینا۔۔۔ ایک پھول کی خاطر غائب ہو جانا، گم ہو جانا۔۔۔ یہ سب کیا ہے؟ کیا مطلب ہے اس کا؟ اپنے پھول کو واپس حاصل کرنا اور اس کی رکھوالی کی ذمہ داری لینا؟“(۱۳)

جزئیات نگاری

جزئیات نگاری کے ذریعے ہم کسی فن کار کی قوت مشاہدہ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جزئیات نگاری جس قدر عمدہ ہو گی فن کار کی قوت مشاہدہ اتنی ہی پختہ ہو گی۔ اس ناول میں جزئیات نگاری نہ ہونے کے برابر

ہے لیکن جہاں کہیں اس کی ضرورت تھی۔ مصنف نے اپنے عمیق مطالعے کا ثبوت دیا ہے۔ اسی حوالے سے ماتھیاس (مصور) کے حلیے کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"وہ غالباً اس سے کچھ سال بڑا، گندمی رنگت، لمبے قد اور مضبوط جثے کا مالک تھا۔ اس کے چھوٹے براؤن بال بکھرے ہوئے تھے۔ اُوپر عنابی رنگ کی پرانی ٹی شرٹ، نیچے گھٹنوں سے پھٹنے کی حد تک چھری ہوئی بلیو جین پہنے ہوئے تھا۔ سینڈلز کا رنگ اوپر پڑی مٹی کی تہہ سے نظر نہیں آتا تھا۔" (۱۴)

اسی طرح زینب خانم کے قہوہ خانے کا نقشہ مصنف نے بڑی خوب صورت سے کھینچا ہے۔ یہاں ایک اقتباس نقل کیا جارہا ہے:

"قہوہ خانہ چار لوگوں کے بیٹھنے کا روایتی طرز کا آراستہ ایک بھرپور روشن کمرہ تھا۔ دروازے پر اطلسی پٹی والی عنابی واسکٹ پہنے ایک ویٹر کے علاوہ وہاں کوئی نہ تھا۔
گہرے رنگ کے فرش پر زیادہ تر سرخ، زرد اور نیلے شیڈز والی سادہ دریاں بچھی تھیں۔ دیواروں پر استنبول کی پرانی تصویریں آویزاں تھیں۔ خلیج میں چپو والی تیرتی کشتیاں، آسماں سے باتیں کرنے میں مسابقت کرتے میناروں والی مسجدیں، آبنائے باسفورس کے کنارے کنارے بنے تنگ کھڑکیوں والے لکڑی کے گھر۔۔۔" (۱۵)

مافوق الفطرت عناصر

مافوق الفطرت عناصر کا رجحان داستان کے ذریعے ناول اور دیگر دوسری اصناف میں شامل ہوا۔ اس کے تحت مصنف بعض اوقات ایسی چیزوں کا بیان کرتا ہے جو انسان کے بس سے باہر ہوتی ہیں۔ اصناف میں مافوق الفطرت عناصر جیسے پریوں کا مل جانا، دور دراز وادیوں کی سیر، سمندر سے محل کا نکلنا اور اس طرح کے دیگر واقعات جن کی حقیقت میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن یہ فن پارے میں قاری کی توجہ اور دل چسپی پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ذیل میں اس حوالے سے ایک اقتباس درج کیا جارہا ہے:

"میں اس عمر میں پھولوں کی باتوں سے اور بھی کہیں زیادہ ماورائی چیزوں پر یقین رکھتی تھی۔
مثلاً کیسی؟
کیسی، کیسی۔۔۔۔ مثلاً یہ کہ میں تیرتے ہوئے پوری دنیا گھوم سکتی ہوں، اُڑ سکتی ہوں، فرشتوں سے بات کرسکتی ہوں۔۔۔۔ ماں کہتی تھی کہ میرے ابا خدا کے پاس ہیں۔ میں یقین رکھتی تھی کہ ساری دنیا تیر کر گھوموں گی، وہ جگہ ڈھونڈ لوں گی جہاں ابا اور خدا رہتا ہے۔ اگر سمندروں میں نہ پاسکی تو

بڑے بڑے پَر لگا کر آسمانوں میں ڈھونڈوں گی۔ خود سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہاں بھی اُسے نہ پاسکی تو
ایک فرشتے سے کہوں گی کہ مجھے میرے ابا تک لے جائے۔"(۱۶)

فلسفیانہ و منطقی گفت گو

بعض اوقات مصنف اپنے کرداروں سے ایسی باتیں کروا دیتا ہے جن سے اُن کی علمیت جھلکنے لگتی ہے۔ اس ناول کے مصنف نے بھی اس طرح کی گفت گو اپنے کرداروں سے کروائی ہیں۔ یہ بات قابلِ حیرت ہے کہ اس ناول کے صرف وہی کردار فلسفیانہ اور منطقی گفت گو کرتے دکھائے گئے ہیں جو زیادہ پڑھے لکھے یا پھر ان کی عمر اتنی ہے کہ انھیں اس طرح کا اندازِ گفت گو زیب دیتا ہے۔ اسی حوالے سے دیکھیے:

"ہوں! مستقبل۔۔۔" ماتھیاس بڑبڑایا۔ میرا ایک پسندیدہ قول ہے کہ وقت کا بہاؤ جب تک
آگے کی جانب رہے گا، اپنے سحر میں جکڑے ہمارا 'مستقبل' اصل میں اَن چھوئے 'ماضی'
سے بڑھ کر اور کچھ بھی نہیں۔"(۱۷)

اسی طرح کی گفت گو زینب خانم کے پھولوں اسباق میں بھی ملتی ہے۔ ان اسباق کے ذریعے زینب خانم، ڈیانا کی تربیت کرتی ہے۔ یہ عام گفت گو سے ہٹ کر ہے اور صرف خاص لوگ ہی اس کے مفاہیم تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ یہاں اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"حقیقی نغمے تک ذہن کے لگائے اندازے سے نہیں بل کہ مشاہدے کے ذریعے سے پہنچ
سکتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہم پھولوں کو کانوں سے نہیں بل
کہ اپنے دل سے ہی سن سکتے ہیں۔" (۱۸)

مقامی زبان و بیان کی جھلک

جب بھی کوئی مترجم کسی فن پارے کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرتا ہے تو ترجمہ شدہ زبان کے محاورات، روز مرہ الفاظ، ضرب المثال خود بخود اس کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ایک اچھے مترجم کی خوبی یہ ہے کہ دونوں زبانوں پر عبور رکھتا ہو یعنی جس زبان سے ترجمہ کیا جا رہا ہے اور جس زبان میں کیا جا رہا ہے۔ اس صورت میں ترجمہ اصل کے قریب تر ہو گا۔ اس کے ساتھ ساتھ احساسات و کیفیات بھی بھرپور انداز میں منتقل ہو سکیں گی۔ مترجم نے بھی کافی حد تک دونوں زبانوں کے اصول و قواعد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس ترجمہ کو مکمل کیا ہے۔ اس ترجمہ شدہ ناول میں کافی حد تک اور اکثر جگہوں پر مقامی زبان کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ اسی سلسلے میں چند اقتباسات نقل کیے جا رہے ہیں:

"اس کا بیگ چوں کہ سب سے آخر میں آیا اس لیے اُسے ایئرپورٹ پر آدھے گھنٹے کے قریب انتظار کرنا پڑا۔ دوبار پیچھے سے آنے والی بھیڑ کی وجہ سے وہ ٹیکسی کی باری کھو بیٹھی۔ اسے مجبوراً باتونی ٹیکسی ڈرائیوروں کی اجنبی زبان میں باتیں سننا پڑیں۔" (۱۹)

"اس سے پہلے کہ ویٹر آرڈر کی ٹرے لیے حاضر ہوتا ڈیانا اپنی رام کہانی تفصیل سے زینب خانم کو سنا چکی تھی۔

واقعی تمھاری کتھا سن کر بہت دکھ ہوا ڈیانا۔"(۲۰)

اسلوب

ڈاکٹر درمش بلگر ترکی اور اردو زبان دونوں سے بہ خوبی واقف ہیں۔ دونوں ملکوں کی ثقافت کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے سردار اوزکان کے ناول کا بڑی خوب صورتی سے بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔ انھوں نے ترجمہ کرتے ہوئے اردو زبان کے روزمرہ کے الفاظ، محاورے، تشبیہات اور ضرب الامثال وغیرہ بڑی خوب صورتی سے استعمال کیے ہیں۔ حقیقی ترجمے کی خوبی یہی ہوتی ہے کہ اس میں اصل اسلوبِ بیاں اور مزاج کی جھلک اس طرح سامنے آئے کہ قاری یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ وہ ترجمہ پڑھ رہا ہے یا طبع زاد تصنیف۔ ڈاکٹر صاحب کی مادری زبان ترکی ہے اور اردو زبان سے انھیں جنون کی حد تک عشق ہے۔ ناول کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ شدہ ہے۔ اردو زبان کے محاورات اور روزمرہ الفاظ کے حوالے سے چند اقتباسات ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں:

"بندھن کے لیے پہلے آزاد ہونا ضروری ہے۔" (۲۱)

"خربوزہ، خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔" (۲۲)

"ہر جا، بوئے گل۔"(۲۳)

ناول کے آخر میں ڈیانا اپنی ماں کو خط لکھتی ہے اور اس کی خواہش کی تکمیل کرتے ہوئے ایک ناول قلم بند کرتی ہے، جس میں وہ اپنے پچھلے سارے تجربات بیان کرتی ہے۔ اسی حوالے سے اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"میری کتاب کی کہانی ایک پھول سے متعلق ہے۔ اس کا نام ہے ایفیس کا پھول۔ الٰہی خوشبو سے تخلیق شدہ ایک پھول۔ اس کی خوشبو کی اپنی مخصوص آواز ہے۔ خوشی کی آواز۔ یہ خیالات اور ملائکہ کے متعلق بات کرتی ہے۔ اس دنیا میں خدا سے ملاقات کی بات کرتی ہے۔" (۲۴)

ڈاکٹر درمش نے ترجمہ نگاری کے تمام اصول و ضوابط کو مد نظر رکھتے ہوئے اس ناول کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ جہاں تک جذبات و احساسات کا تعلق ہے انھوں نے ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل

کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ثقافت کو دوسری ثقافت میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ بعض اوقات نامکمل جملوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ناول کی اصل روح مترجم کی گرفت میں نہیں آرہی مگر جوں ہی اگلی سطر کا آغاز ہوتا ہے تو مترجم گذشتہ خوبیوں کو برقرار رکھنے میں کافی حد تک کامیاب نظر آتا ہے۔ مترجم نے ترجمہ کرتے ہوئے اس ناول کے بنیادی کردار ڈیانا اور اس کی ماں کے احساس و الفت کو پورے ناول میں اس طرح پیش کیا ہے کہ یہ ناول ترجمہ کی بجائے مترجم کا طبع زاد محسوس ہوتا ہے۔ المختصر یہ کہ ایک ترجمہ شدہ ناول میں جتنے عناصر کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے وہ تمام کے تمام عناصر سے مترجم نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) مسکین علی حجازی، صحافتی زبان، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ۷۳۔

(۲) درمش بلگر، گم شدہ گلاب، (لاہور: رومی چیئر برائے ترکی زبان و ثقافت، کلیۂ علومِ شرقیہ، جامعہ پنجاب، ۲۰۱۵ء)، فلیپ۔

(۳) ایضاً، تقدیم۔ (۴) ایضاً۔ (۵) ایضاً، ۵۔ (۶) ایضاً، ۱۷۲۔

(۷) سہیل بخاری، ناول نگاری، (لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۶۶ء)، ۱۷۔

(۸) درمش بلگر، گم شدہ گلاب، ۳۔

(۹) ایضاً، ۱۷۳۔ (۱۰) ایضاً، ۱۰۸۔ (۱۱) ایضاً، ۱۷۴۔۱۷۵۔

(۱۲) ایضاً، ۱۰۸۔ (۱۳) ایضاً، ۱۱۔ (۱۴) ایضاً، ۲۹۔

(۱۵) ایضاً، ۹۰۔ (۱۶) ایضاً، ۹۸۔ (۱۷) ایضاً، ۶۸۔

(۱۸) ایضاً، ۱۰۷۔۱۰۸۔ (۱۹) ایضاً، ۸۷۔ (۲۰) ایضاً، ۹۳۔

(۲۱) ایضاً، ۶۱۔ (۲۲) ایضاً، ۱۳۷۔ (۲۳) ایضاً، ۱۷۳۔ (۲۴) ایضاً، ۱۷۱۔

BIBLIOGRAPHY

- Durmus Bulgur, *Gumshūdah Ghūlāb*, (Trans.), (Lahore: Rumi Chair, Punjab University, 2015)
- Miskeen Ali Hijazi, *Safāhaftī Zūbān*, (Lahore: Sang-e Meel Publications, 2007)
- Sohail Bukhari, *Noval Nigārī*, (Lahore: Maktabah Meri Library, 1966)

❖❖❖